مسلم نوجوان اور حالاتِ حاضرہ:

ذمہ داریاں اور مسائل

Muslim Youth and Corrunt Situations: Responsibilities and Challenges

Uzma Yaseen
Visiting Faculty Member, University of Layyah, Layyah, E-mail: bodlauzma133@gmail.com
Dr. Muhammad Amin
Visiting Faculty Member, University of Layyah, Layyah
E-Mail: m.ameencss@gmail.com, Ph# 923450662074
Rubina Kausar
Visiting Faculty Member, University of Layyah, Layyah

Abstract:
This article highlights the crical role of youth, defined by the World Health Organizatio as individuals aged 15-24, in societal, economic and cultural progress. Youth make up nearly 50 % of the global population, symbolizing immence potential and responsibility. Historical revolutios, such as the Russian revolution and Arab Supring, were fueled by youth. In Islam the Qura'n and Sunah emphasize the vitality of this age group, citing examples like the companions of the Cave and young sporters of Prophet Moses. Islamic history showcases the leadership of youg figures like Ali, Khalid bi Walid, ad others who exemplified courage, sacrifice and innovation. This phase of life, rich in energy and ambition, is deemed an opportunity for societal reform and personal grouth, provided youth are goided towards constructive purposes.

Key Words: Muslim Youth, Role, Current Affairs, Responsibilities, Challenges, History.

ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کے مطابق، 15 سے 24 سال کی عمر کے افراد کو نوجوانوں کی کیٹیگری میں شامل کیا جاتا ہے، جس میں بچپن اور لڑکپن کے اہم مراحل بھی شامل ہوتے ہیں۔ اس تعریف سے واضح ہوتا ہے کہ نوجوانی نہ صرف جسمانی بلکہ ذہنی اور جذباتی نشوونما کا ایک اہم دور ہے۔

عالمی شماریاتی ادارے کی رپورٹ کے مطابق دنیا کی کل آبادی کا تقریباً 50 فیصد حصہ 25 سال سے کم عمر کے افراد پر مشتمل ہے۔ یہ اعداد و شمار اس حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں کہ دنیا بھر میں نوجوانوں کی تعداد میں مستقل اضافہ ہو رہا ہے جو سماجی، اقتصادی اور ثقافتی منظر نامے پر گہرے اثرات مرتب کر رہا ہے۔

یہ صورتحال ایک طرف انسانی وسائل کی بھرپور صلاحیت کو ظاہر کرتی ہے تو دوسری طرف نوجوانوں کی تربیت، تعلیم، اور روزگار کے مواقع فراہم کرنے کی عالمی ضرورت کو بھی اجاگر کرتی ہے۔ اس بڑھتی ہوئی آبادی کی درست رہنمائی اور مثبت سمت میں ترقی کے لیے حکومتوں اور سماجی اداروں کو فوری اور مؤثر اقدامات کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ نوجوان معاشرے کے لیے ایک طاقتور سرمایہ بن سکیں۔

نوجوان کسی بھی قوم کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی قوت، صلاحیت اور حوصلہ قوموں کی ترقی یا زوال میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ قوموں کی کامیابی و ناکامی، فتوحات و شکست، ترقی و تنزل اور عروج و زوال کی داستانوں میں ہمیشہ نوجوانوں کی شرکت کلیدی رہی ہے۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ہر بڑی تحریک یا انقلاب کے پیچھے نوجوانوں کی توانائیاں اور قربانیاں کارفرما رہی ہیں۔

چاہے وہ روس کا انقلاب ہو، فرانس کی آزادی کا نعرہ، عرب بہار کی تحریک یا مارٹن لوتھر کنگ کا نسلی مساوات کے لیے جدوجہد کرنا' ہر ایک کی کامیابی نوجوانوں کی بے مثال جدوجہد اور قربانی کا نتیجہ ہے۔ نوجوانوں کی یہ جدوجہد نہ صرف سیاسی اور اقتصادی سطح پر نظر آتی ہے بلکہ سماجی، سائنسی اور ثقافتی میدانوں میں بھی ان کی سرگرمیاں غیر معمولی اثرات مرتب کرتی ہیں۔

ماضی کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ ہر بڑی تبدیلی نوجوانوں کے غیر متزلزل عزم اور انقلابی جذبے کے باعث ممکن ہوئی۔ موجودہ دور میں بھی یہی طبقہ ہر چھوٹے بڑے اقدام اور تحریک میں پیش پیش نظر آتا ہے، چاہے وہ سیاسی جماعت ہو، سماجی تحریک ہو یا عسکری تنظیم۔ ان کی جدوجہد، محنت اور قوتِ فیصلہ ہمیشہ کسی بھی قوم کی کامیابی کے لیے ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتی ہے۔

مستقبل میں بھی اقوام و تنظیمات نوجوانوں پر اپنی امیدوں کا مرکز قائم رکھے ہوئے ہیں، کیونکہ یہی طبقہ نئے افکار و خیالات، جدید ٹیکنالوجی کی تخلیق اور بدلتے حالات میں قیادت کے لیے موزوں ترین ہے۔ یوں، نوجوان کسی بھی قوم کی ترقی کا پیمانہ اور مستقبل کے خوابوں کی تعبیر کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

قرآن مجید نوجوانوں کی اہمیت اور ان کے کردار کو بہت بلند مقام عطا کرتا ہے اور اس ضمن میں اصحاب کہف کی مثال خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ سورۃ الکہف میں ان نوجوانوں کا ذکر ملتا ہے جو اپنے زمانے کے ظالم حکمران کے خلاف حق و صداقت کے علمبردار بنے۔ قرآن کہتا ہے:

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى۔ [1]

ترجمہ: (اب) ہم آپ کو ان کا حال صحیح صحیح سناتے ہیں، بیشک وہ (چند) نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کے لئے (نورِ) ہدایت میں اور اضافہ فرما دیا۔

مندرجہ بالا آیت نوجوانوں کے اس عظیم کردار کو اجاگر کرتی ہے جس میں وہ اپنی عمر کی توانائی اور جواں حوصلگی کو حق کے قیام کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اصحاب کہف نے اپنے ایمان کی مضبوطی سے وقت کے جبر و استبداد کو للکارا اور اللہؐ کی وحدانیت کے اعلان میں کسی بھی قسم کے خوف کو رکاوٹ نہیں بننے دیا۔

ان کے کردار کی گہرائی یہ ظاہر کرتی ہے کہ نوجوانوں میں موجود جذبہ، اخلاص، اور استقامت کس طرح ایک معاشرے کی فکری بنیادیں بدل سکتا ہے۔ اصحاب کہف کے واقعے میں یہ بات نمایاں ہے کہ نوجوان نہ صرف قوت ارادی کا مظاہرہ کرتے ہیں بلکہ اپنے اعمال کے ذریعے معاشرتی جمود کو توڑنے کا سبب بنتے ہیں۔ ان کا ایمان، اللہؐ پر بھروسہ اور ہدایت کے لیے ان کی بے لوث جستجو تمام نوجوانوں کے لیے ایک مثالی نمونہ ہے۔

یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ نوجوان، اگر صحیح رہنمائی اور ایمان کے ساتھ عمل کریں تو وہ تبدیلی کے محرک بن سکتے ہیں اور ظالم طاقتوں کو جھکنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ قرآن نوجوانوں کو ایک طاقتور اور انقلابی کردار ادا کرنے کی دعوت دیتا ہے، بشرطیکہ وہ اپنی صلاحیتوں کو اللہؑ کی رضا کے مطابق استعمال کریں۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں نوجوانوں کے عزائم، حوصلے، غیر متزلزل ایمان اور ان کے عالم گیر اعلان کو یوں بیان فرماتا ہے:

وَّ رَبَطۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ اِذۡ قَامُوۡا فَقَالُوۡا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَنۡ نَّدۡعُوَا۠ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِلٰـہًا لَّقَدۡ قُلۡنَاۤ اِذًا شَطَطًا۔ [2]

ترجمہ: اور ہم نے ان کے دلوں کو (اپنے ربط و نسبت سے) مضبوط و مستحکم فرما دیا، جب وہ (اپنے بادشاہ کے سامنے) کھڑے ہوئے تو کہنے لگے: ہمارا رب تو آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم اس کے سوا ہرگز کسی (جھوٹے) معبود کی پرستش نہیں کریں گے (اگر ایسا کریں تو) اس وقت ہم ضرور حق سے ہٹی ہوئی بات کریں گے۔

قرآن مجید میں نوجوانوں کے کردار کو مختلف مقامات پر نمونۂ عمل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ایک مثال حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر ایمان لانے والے چند نوجوانوں کی ہے، جنہوں نے اپنے وقت کے سخت ترین حالات میں بھی حق کی گواہی دی۔ ان نوجوانوں نے اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی نبوت کو تسلیم کیا جب ان کی قوم کے بڑے طبقے نے کفر اور انکار کا راستہ اختیار کیا تھا۔

یہ امر ظاہر کرتا ہے کہ نوجوانوں میں حق کے ساتھ کھڑے ہونے کی جو جرات اور استقامت موجود ہوتی ہے وہ انہیں ایک نمایاں مقام عطا کرتی ہے۔

ان نوجوانوں کا عمل اس بات کی دلیل ہے کہ کسی بھی قوم کے نوجوان اگر حق کی حمایت میں ثابت قدمی دکھائیں تو وہ نہ صرف اپنی زندگی میں انقلاب برپا کر سکتے ہیں بلکہ آئندہ نسلوں کے لیے مشعلِ راہ بھی بن سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَاۤ اٰمَنَ لِمُوۡسٰۤی اِلَّا ذُرِّیَّۃٌ مِّنۡ قَوۡمِہٖ عَلٰی خَوۡفٍ مِّنۡ فِرۡعَوۡنَ وَ مَلَا۠ئِہِمۡ اَنۡ یَّفۡتِنَہُمۡ ؕ وَ اِنَّ فِرۡعَوۡنَ لَعَالٍ فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَ اِنَّہٗ لَمِنَ الۡمُسۡرِفِیۡنَ۔ [3]

ترجمہ: پس موسیٰ (علیہ السلام) پر ان کی قوم کے چند جوانوں کے سوا (کوئی) ایمان نہ لایا، فرعون اور اپنے (قومی) سرداروں سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں وہ انہیں (کسی) مصیبت میں مبتلا نہ کر دیں، اور بیشک فرعون سرزمینِ (مصر) میں بڑا جابر و سرکش تھا، اور وہ یقیناً (ظلم میں) حد سے بڑھ جانے والوں میں سے تھا۔

چنانچہ، قرآن مجید کا یہ واقعہ ہمیں اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ نوجوانوں کا کردار صرف انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی سطح پر بھی بے پناہ اثرات رکھتا ہے۔ ان کا ایمان اور عمل، تاریخ کے دھارے کو موڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اپنے عزم میں پختہ اور اپنے مقصد میں خالص ہوں۔

نوجوانی، انسان کی زندگی کا وہ مرحلہ ہے جو قوت، توانائی اور جوش و جذبے سے بھرپور ہوتا ہے۔ یہ وہ عمر ہے جس میں انسان کی جسمانی و ذہنی صلاحیتیں اپنے عروج پر ہوتی ہیں اور اس میں عمل کرنے کی غیر معمولی قابلیت موجود ہوتی ہے۔ تاہم، یہی وہ دور بھی ہے جو زندگی کے مستقبل کی بنیاد رکھتا ہے اور جہاں صحیح یا غلط فیصلے انسان کے پورے سفرِ حیات پر اثرانداز ہو سکتے ہیں۔

احادیثِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ میں نوجوانوں کے کردار کو بہت اہمیت دی گئی ہے کیونکہ یہ عمر صرف ذاتی ترقی ہی نہیں بلکہ معاشرتی اصلاح کے لیے بھی کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے فرمایا: "قیامت کے دن انسان کے قدم اس وقت تک نہیں ہل سکیں گے جب تک اس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرلیا جائے، جن میں ایک سوال اس کی عمر کے بارے میں ہوگا کہ اسے کن کاموں میں ختم کیا۔"4

یہ حدیث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ جوانی کی عمر محض طاقت اور خواہشات کی تکمیل کے لیے نہیں بلکہ اسے مثبت اور نفع بخش کاموں میں صرف کرنا انسان کی ذمہ داری ہے۔

نوجوانی کی عمر انسانی زندگی کا وہ قیمتی مرحلہ ہے جو صلاحیتوں کی پرورش اور ان کے نکھار کے لیے بہترین وقت فراہم کرتا ہے۔ حدیث مبارکہ میں جس عمر کے متعلق سوال کیا جائے گا، اس میں نوجوانی کی یہ بابرکت گھڑیاں بھی شامل ہیں۔ یہ وہ دور ہے جب انسان کے اندر توانائی، حوصلہ اور علم کی پیاس عروج پر ہوتی ہے، اور اسی عمر میں وہ اپنے کردار کی بنیادیں مستحکم کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے اس عمر کو "بے داغ ضرب کاری" قرار دیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس دور کو درست راہ پر استوار کیا جائے تو انسان عظیم کامیابیاں حاصل کر سکتا ہے۔

دورِ شباب انسانی زندگی کا وہ زمانہ ہے جس میں ولولے اور امنگیں عروج پر ہوتی ہیں، اور انسانی ارادہ، قوتِ عمل اور فکر کی جولانی اپنی انتہا کو چھوتی ہے۔ یہی وہ وقت ہے جب دل و دماغ میں عظیم مقاصد کے حصول کی تڑپ اور دنیا میں کچھ منفرد کر گزرنے کا جذبہ جاگزیں ہوتا ہے۔ تاریخِ اسلام کے روشن ابواب میں اس دور کو خاص اہمیت حاصل ہے، کیونکہ یہ وہ زمانہ ہے جب جوانانِ اسلام نے اپنی جوانی کی توانائیوں کو دینِ حق کی سربلندی اور اقوامِ عالم کی رہنمائی کے لیے وقف کر دیا۔

تاریخِ اسلام نوجوانوں کے حیرت انگیز کارناموں سے بھری پڑی ہے۔ یہی وہ دورِ شباب تھا جب حضرت اسامہ بن زید رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ جیسے کم عمر صحابی نے اسلامی لشکروں کی قیادت کی، اور حضرت خالد بن ولید رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ نے سیف اللّٰہ کا لقب پایا۔ حضرت علی، حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت عمار بن یاسر رضوان اللّٰہ علیہم اجمعین نے اپنی نوخیزی کے عالم میں اللّٰہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور دینِ اسلام کی ترویج کے لیے صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ یہ وہی جوانانِ اسلام ہیں جنہوں نے میدانِ عمل میں بے مثل قربانیاں دیں اور صبر و استقامت کے ایسے نقوش چھوڑے جو رہتی دنیا تک مشعلِ راہ رہیں گے۔ اسی طرح چار "عباد اللّٰہ" یعنی حضرت عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ، عبد اللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ، عبد اللّٰہ بن زبیر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ اور عبد اللّٰہ بن عمرو بن العاص رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنی جوانی کو اللّٰہ کے دین کی خدمت اور رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے پیغام کی اشاعت کے لیے وقف کیا۔

میدانِ علم میں کردار:

اگر علومِ اسلامیہ کے مجددین کا تذکرہ کیا جائے تو امام غزالی، ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللّٰہ محدث دہلوی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ کی علمی بصیرت اور اجتہادی کاوشوں نے نوجوانی ہی میں وہ گہرائیاں چھوئیں جو عام اذہان کی دسترس سے باہر تھیں۔ ان کی فکر و دانش نے اسلامی علوم کو نہ صرف محفوظ کیا بلکہ ان میں نئے پہلوؤں کا اضافہ کر کے امتِ مسلمہ کو فکری اور عملی رہنمائی عطا کی۔ مولانا ابو الکلام آزاد نے اپنی غیر معمولی ذہانت، بالغ نظر اور فکری گہرائی کے سبب نوجوانی ہی میں صحافت کے میدان کو اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ ان کی تحریریں ان کے شعور کی پختگی اور دینی و ملی مسائل کی گہری تفہیم کی آئینہ دار تھیں۔

دوسری جانب، سید ابو الاعلیٰ مودودی نے محض 23 برس کی عمر میں "الجہاد فی الاسلام" جیسی بے مثال تصنیف کے ذریعے نہ صرف اسلامی تعلیمات کی حقیقی روح کو اجاگر کیا بلکہ ان غلط فہمیوں کا بھی مؤثر ازالہ کیا جن کا سامنا اُس وقت مسلمانوں اور غیر مسلموں کو یکساں طور پر تھا۔ یہ دونوں شخصیات اپنے وقت کے ایسے مینارِ نور ثابت ہوئیں جنہوں نے محض جوانی کے دنوں میں ہی اپنی فکری رہنمائی اور علمی بصیرت سے امت مسلمہ کو روشنی عطا کی۔

میدان جہاد میں کردار:

اسلامی تاریخ کے میدانِ جہاد میں بھی نوجوانوں کے کارنامے سنہری حروف سے لکھے گئے ہیں۔ طارق بن زیاد، محمد بن قاسم اور صلاح الدین ایوبی جیسے سپہ سالاروں نے اپنی جوانی کے عالم میں ایسے شجاعانہ کارنامے سرانجام دیے جنہوں نے نہ صرف اسلامی تاریخ کو تابناک بنایا بلکہ دنیا کو انصاف، عدل اور امن کا پیغام دیا۔ اسی طرح دعوت و اصلاح کے میدان میں بھی جوانوں کا کردار بے مثال رہا ہے۔ مصر کی سرزمین پر حسن البنا نے اپنی نوجوانی کے عالم میں "اخوان المسلمون" کی بنیاد رکھ کر ایک ایسا فکری انقلاب برپا کیا جس کی گونج آج بھی سنائی دیتی ہے۔ یہ تمام شخصیات اس بات کا عملی نمونہ ہیں کہ اگر نوجوان اپنی توانائیوں کو بلند مقاصد کے لیے وقف کر دیں تو وہ تاریخ کے دھارے کو موڑ سکتے ہیں اور اقوام کی تقدیر بدل سکتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اسی عمر کو غنیمت سمجھنے کی تلقین فرمائی، کیونکہ یہ وہ وقت ہے جب انسان بڑے بڑے معرکے سر کر سکتا ہے۔ نوجوانی ایک نعمت ہے، مگر اس کے ساتھ ذمہ داری کا شعور لازم ہے۔ یہی وہ وقت ہے جب انسان اپنی شخصیت کو بلند ترین مقام تک لے جا سکتا ہے، بشرطیکہ وہ اپنی توانائیوں کو صحیح سمت میں صرف کرے۔

نوجوانوں کو درپیش مسائل:

ذیل میں ہم اُن چند محرکات اور مُشکلات کا مختصر سا جائزہ لے رہے ہیں جو آج کے مسلمان نوجوان کو درپیش ہیں؛

مقصدِ زندگی سے ناواقفیت:

ڈاکٹر ابراہیم ناجی نے اپنی کتاب Have you discovered it's real Beauty میں ناروے کے ایک ہوٹل میں کرس نامی شخص سے مکالمہ بیان کیا، جس میں انہوں نے کرس سے زندگی کے مقصد کے بارے میں استفسار کیا۔ کرس نے حیرت کے ساتھ جواب دیا کہ اس سے پہلے کسی نے یہ سوال نہیں کیا اور مزید کہا کہ اس کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں اور اسے سمجھ نہیں آتا کہ زندگی کا مقصد بھی کوئی شے ہوتی ہے۔

یہ مکالمہ عصرِ حاضر کے نوجوانوں کے طرزِ فکر کی عکاسی کرتا ہے، جہاں زندگی کی حقیقت اور غایت کو اکثر غیر سنجیدگی یا لاعلمی کے پردوں میں چھپا دیا جاتا ہے۔ نوجوانوں کی اکثریت کا رجحان اس طرف ہے کہ زندگی محض "کھانے، پینے اور خوش رہنے" کے سوا کچھ نہیں اور یہ دنیا ایک عیش و عشرت کا میدان ہے جس میں لذتوں کی جستجو ہی اصل منزل ہے۔

اسلام نے اس موضوع پر ایک جامع اور واضح رہنمائی فراہم کی ہے۔ قرآن و سنت میں بارہا زندگی کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی گئی ہے، جہاں انسان کو اس کے خالق کے ساتھ تعلق، دنیاوی زندگی کی عارضیت، اور آخرت کی حقیقت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ اسلامی تعلیمات یہ باور کراتی ہیں کہ زندگی محض جسمانی لذتوں یا وقتی راحتوں کا نام نہیں، بلکہ ایک عظیم مقصد، یعنی اللہؐ کی بندگی، اس کی رضا کے حصول اور انسانیت کی خدمت کے لیے ہے۔ یہ شعور انسان کو سطحی خواہشات کی غلامی سے نکال کر اعلیٰ مقاصد کی جانب گامزن کرتا ہے۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ کرس کا جواب محض ایک فرد کی لاعلمی نہیں بلکہ ایک عمومی رویے کی نشاندہی کرتا ہے، جو آج کے مادی رجحانات میں پنہاں ہے۔ اسلام ایسے گمراہ کن نظریات کے خلاف انسان کو اس کے حقیقی مقصد سے روشناس کرواتا ہے اور اسے شعوری اور فکری بلندی عطا کرتا ہے۔ قرآن کریم میں ایک جگہ یوں بھی فرمایا گیا ہے:

اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً ؕ [5]

ترجمہ: میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔

ایک اور جگہ فرمایا:

وَ مَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَ الۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ ۔ [6]

ترجمہ: اور میں نے جنّات اور انسانوں کو صرف اسی لئے پیدا کیا کہ وہ میری بندگی اختیار کریں۔

انہی الفاظ کے ساتھ اللہؐ تبارک وتعالیٰ نے ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد اور ہدف بیان فرمادیا ہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں اچھے اور احسن اعمال کو بھی مقصدِ حیات قرار دیا گیا ہے:

الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡغَفُوۡرُ ۙ ۔ [7]

ترجمہ: جس نے موت اور زندگی اس لیے پیدا کی تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ بہتر ہے، اور وہی ہے جو مکمل اقتدار کا مالک، بہت بخشنے والا ہے۔

زندگی کو بہتر بنانے اور اس کے اصل مقصد کے حصول کے لیے احادیث میں بھی بڑی رہنمائی اور مدد ملتی ہے۔ حدیثِ مبارکہ ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ إِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَ إِنَّ اللَّهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُونَ فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَ اتَّقُوا النِّسَاءَ فَإِنَّ أَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ وَ فِي حَدِيثِ ابْنِ بَشَّارٍ لِيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ۔ [8]

"حضرت ابو سعید خدری رضی اللہؐ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "بلاشبہ دنیا بہت میٹھی اور ہری بھری ہے اور اللہؐ تعالیٰ اس میں تمہیں (تم سے پہلے والوں کا) جانشیں بنانے والا ہے، پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو، لہٰذا تم دنیا (میں کھو جانے) سے بچتے رہنا اور عورتوں (کے فتنے میں مبتلا ہونے) سے بچ کر رہنا، اس لیے کہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں (کے معاملے) میں تھا۔"

اور بشار کی حدیث میں ہے: "تاکہ وہ دیکھے کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو۔"

مندرجہ بالا حدیث میں نبی کریم ﷺ نے دنیا کی حقیقت کو نہایت جامع انداز میں واضح کیا کہ یہ ظاہری طور پر نہایت خوشنما اور دل فریب معلوم ہوتی ہے۔ یہ چکھنے میں میٹھی اور دیکھنے میں سرسبز و شاداب دکھائی دیتی ہے، جو انسان کی فطری خواہشات کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ اس کے دامِ فریب میں گرفتار ہو جاتے ہیں، اسے اپنی اصل منزل سمجھ لیتے ہیں اور اس کے حصول کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اللہؐ تعالیٰ نے اس دنیا کو امتحان گاہ کے طور پر تخلیق کیا ہے، جہاں ہمیں ایک دوسرے کا جانشین بنایا گیا ہے، تاکہ ہمارے اعمال کو پرکھا جاسکے۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ آیا ہم اپنے رب کے بتائے ہوئے اصولوں پر چلتے ہیں یا اس کے حکم کی نافرمانی کرتے ہیں۔ اس کے بعد نبی مکرم ﷺ نے متنبہ کیا کہ دنیا کی ظاہری زیب و زینت اور مادی آسائشیں تمہیں دھوکے میں نہ ڈالیں۔ یہ نہ ہو کہ ان کی چمک دمک تمہیں اللہؐ کے فرامین سے غافل کر دے اور تمہیں ان ممنوعات میں مبتلا کر دے جن سے اللہؐ نے باز رہنے کا حکم دیا ہے۔ مزید برآں، آپ ﷺ نے عورتوں کے فتنے کو خاص طور پر ذکر کیا اور فرمایا کہ دنیا کے فتنوں میں سب سے زیادہ خطرناک فتنہ عورتوں کا فتنہ ہے۔ بنی اسرائیل کی تاریخ گواہ ہے کہ ان پر آنے والی

آزمائشوں میں سب سے پہلی اور بڑی آزمائش عورتوں کے ذریعے آئی۔ یہ تنبیہ ہمیں اس بات کا شعور دیتی ہے کہ اپنی خواہشات کو قابو میں رکھنا اور اللہؐ کی حدود کے اندر رہتے ہوئے زندگی بسر کرنا ہر مسلمان کی بنیادی ذمہ داری اور زندگی کا اصل مقصد بھی ہے۔

وحی الٰہی سے دوری:

امت مسلمہ کے نوجوانوں کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ قرآن مجید سے عملی تعلق قائم کرنے میں کوتاہی برت رہے ہیں۔ قرآن مجید کو ایک رسمی اور محض مذہبی کتاب کے طور پر دیکھنا ان کی فکری زبوں حالی کی علامت ہے۔ عموماً یہ تصور پایا جاتا ہے کہ قرآن کی تعلیمات کا اطلاق صرف عبادات یا مخصوص مذہبی امور تک محدود ہے اور یہ کہ یہ کتاب عصر حاضر کے مسائل اور چیلنجز کا جواب دینے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

یہ تصور حقیقت سے کوسوں دور ہے۔ قرآن مجید ایک انقلابی کتاب ہے، جو انسان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ نہ صرف فرد کی روحانی اصلاح کے لیے رہنمائی فراہم کرتی ہے بلکہ اجتماعی، سماجی، سیاسی اور اقتصادی معاملات کے لیے بھی جامع اصول بیان کرتی ہے۔ یہ کتاب انسان کو کائنات کی وسعتوں کی سیر کراتی ہے اور ساتھ ہی انسان کی اپنی حقیقت اور مقصد وجود کو بھی واضح کرتی ہے۔

قرآن انسان کے فکری افق کو وسعت دیتا ہے، حلال و حرام کی واضح حدود متعین کرتا ہے، اور حق و باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ یہ صرف ایک مذہبی کتاب نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو ہر دور کے مسائل کا حل پیش کرتی ہے اور انسانیت کو کامیابی اور فلاح کا راستہ دکھاتی ہے۔ لہٰذا، امت کے نوجوانوں کو قرآن مجید کے ساتھ اپنی وابستگی کو رسمی دائرے سے نکال کر حقیقی معنوں میں ایک انقلابی اور جامع رہنما کے طور پر اپنانا ہوگا۔ اس کتاب کو عملی زندگی کے تمام معاملات میں رہنمائی کا ذریعہ بنانا، فکری، اخلاقی اور سماجی ترقی کے لیے ناگزیر ہے۔ حقیقی کامیابی اور نجات کا راستہ اسی کتاب سے ہو کر گزرتا ہے۔

کیریئرازم/ترقی کا جنون:

عصرِ حاضر میں تعلیم کے بنیادی مقاصد، جو کبھی انسان کی فکری و اخلاقی تربیت اور شعوری بیداری تھے، اب محض پیشہ ورانہ مہارت، بہتر ملازمت اور مالی منفعت تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔ نوجوانوں کی اکثریت انہی مادی مفادات کے پیچھے اس قدر دیوانہ وار بھاگتی ہے کہ وہ نہ تو اپنے گردوپیش پر غور کرنے کا وقت نکالتی ہے اور نہ ہی اپنی زندگی کی گہرائیوں میں جھانک کر اپنے وجود کے حقیقی مقصد کو سمجھنے کی سعی کرتی ہے۔

سائنس اور ٹیکنالوجی کی برق رفتار ترقی اور ایٹمی دھماکے کے اس دور نے مسابقت اور برتری کی ایسی اندھی دوڑ لگادی ہے کہ ہر فرد صرف اپنی ذات کی فکر میں گم ہے۔ وہ سماجی تعلقات کو نظر انداز کرتا ہے، حتیٰ کہ اپنے قریب ترین ہمسائے سے بھی بے اعتنائی برتتا ہے، اور اس خود ساختہ اصول کو اپنائے ہوئے ہے کہ "مجھے کسی سے سروکار نہیں۔"

یہ نوجوان اپنی تمام تر توجہ چاند پر کمندیں ڈالنے، دنیاوی کامیابیاں حاصل کرنے اور کیریئر کو بامِ عروج پر پہنچانے میں لگا دیتا ہے، لیکن اپنے باطنی شعور اور اخلاقی ذمہ داریوں سے غافل رہتا ہے۔ اگرچہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور قابلِ ذکر اسناد کا حامل ہوتا ہے، لیکن اس کے دل میں دوسروں کے لیے ہمدردی اور انسانیت کے لیے درد کا جذبہ عنقا ہوتا ہے۔ ہماری نوجوان نسل تو خواجہ میر درد کے اس شعر کو بالکل ہی نظر انداز کیے ہوئے ہے:

؎ درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ
طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

یہ صورتحال اس گدھے کی مثال پیش کرتی ہے جس کی پیٹھ پر علم کے ذخائر تولدے ہوتے ہیں، لیکن وہ اس بوجھ کی نوعیت اور اہمیت سے بے خبر ہوتا ہے۔یوں ہماری تعلیم کا محور مادی فائدے تک محدود ہو کر، انسان کو اس کی روحانی عظمت اور اخلاقی معراج سے محروم کر رہا ہے۔

اسلام ایک متوازن اور جامع نظامِ حیات فراہم کرتا ہے، جو نہ صرف انسان کی روحانی تربیت پر زور دیتا ہے بلکہ دنیاوی زندگی کے تمام پہلوؤں کو بھی منظم اور سنوارنے کی تلقین کرتا ہے۔ کیریئر اور مستقبل کو بہتر بنانے کی کوشش اسلام کی نظر میں قابلِ ستائش ہے، بشرطیکہ یہ کوشش قواعد، اصولوں اور اخلاقی حدود کے دائرے میں ہو۔ اسلام حسنِ عمل (excellence) پر خاص زور دیتا ہے، اور یہ مطالبہ کرتا ہے کہ انسان ہر کام کو بہترین طریقے سے انجام دے، خواہ وہ دینی امور ہوں یا دنیاوی۔ یہ اصول نہ صرف فرد کی ترقی کا ذریعہ بنتا ہے بلکہ معاشرے میں مثبت اثرات مرتب کرتا ہے۔ لیکن اسلام اس بات سے خبردار کرتا ہے کہ کیریئر یا دنیاوی مقاصد کی اندھی دوڑ انسان کو سماجی تعلقات اور اخلاقی ذمہ داریوں سے غافل نہ کر دے۔

اندھی کیریئر پرستی انسان کو خود غرضی کی جانب لے جاسکتی ہے، جہاں وہ اپنے اردگرد کے لوگوں اور ان کی ضروریات کو نظرانداز کر دیتا ہے۔ اسلام اس رویے کو رد کرتا ہے، کیونکہ یہ نہ صرف فرد کے روحانی نقصان کا باعث بنتا ہے بلکہ معاشرتی ہم آہنگی کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان اپنی کامیابی کو دوسروں کی بھلائی کے ساتھ جوڑ کر دیکھے، تاکہ وہ اپنی انفرادی ترقی کے ساتھ ساتھ اجتماعی ترقی کا بھی ذریعہ بنے۔ ترقی اور سرمایہ کاری کا اندھا جنون ایک فرد کو معاشرے سے الگ کر دیتا ہے، جبکہ اسلامی تعلیمات اور قران کریم میں اس کی سخت مذمت کی گئی ہے، اللہؒ تعالیٰ نے حضرت لقمان علیہ السّلام کی اپنے بیٹے کو کی گئی نصیحت قرآن مجید میں بیان فرمائی ہے:

وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ۔ [9]

ترجمہ: اور لوگوں سے (غرور کے ساتھ) اپنا رخ نہ پھیر۔

یوں اسلامی تعلیمات اور شرعی احکام ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ ہم کیریئر کی تعمیر ضرور کریں، لیکن اسے انسانیت کی خدمت اور اخلاقی قدروں کی روشنی میں پروان چڑھائیں، تاکہ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی حاصل ہو۔

تربیتی فقدان:

امت مسلمہ کے نوجوان آج بے شمار مسائل اور الجھنوں میں گھرے ہوئے ہیں جو ان کی فکری، عملی، اور سماجی زندگی کو شدید متاثر کر رہے ہیں۔ غیر متوازن نظامِ تعلیم ان کی فکری صلاحیتوں کو محدود کر رہا ہے، جبکہ اقتصادی مسائل اور بے روزگاری ان کے حوصلے کو پست کر رہے ہیں۔ معاشرتی نظام کی خرابی اور نکاح میں تاخیر جیسے مسائل نوجوانوں کو نفسیاتی دباؤ میں مبتلا کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں، ناقص تعلیم وتربیت، مغربی تہذیب کی حیاسوز اقدار اور نت نئے فکری رجحانات نے ان کے کردار اور مستقبل کو غیر مستحکم بنا دیا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ نوجوان طبقہ ان مسائل کا سامنا کرنے میں نہ صرف تذبذب کا شکار ہے بلکہ اکثر رہنمائی کے فقدان کی وجہ سے ان مسائل سے فرار کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ یہ صورتِ حال اس امر کی متقاضی ہے کہ والدین، علما اور دانشور اپنی ذمہ داریوں کا بھرپور ادراک کرتے ہوئے نوجوانوں کی فکری، اخلاقی اور عملی تربیت کا فریضہ سرانجام دیں۔

اس ضمن میں ہمیں نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے رہنمائی لینی چاہیے، جنہوں نے نوجوانوں کی تربیت کے لیے ان کے مزاج، رجحانات اور فطری میلانات کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں مختلف ذمہ داریاں سونپیں اور ان کی فکری و عملی صلاحیتوں کو جلا بخشی۔ رسول اللہ ﷺ نے نوجوانوں کو زندگی کے مختلف شعبوں میں فعال کردار ادا کرنے کے قابل بنایا، جس کے نتیجے میں وہ امت کے ستون بن کر سامنے آئے۔

مسندِ احمد میں ایک حدیث روایت کی گئی ہے:

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ إِنَّ فَتًى شَابًّا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ائْذَنْ لِي بِالزِّنَا فَأَقْبَلَ الْقَوْمُ عَلَيْهِ فَزَجَرُوهُ قَالُوا مَهْ مَهْ فَقَالَ ادْنُهْ فَدَنَا مِنْهُ قَرِيبًا قَالَ فَجَلَسَ قَالَ أَتُحِبُّهُ لِأُمِّكَ قَالَ لَا وَ اللَّهِ جَعَلَنِي اللَّهُ فِدَاءَكَ قَالَ وَ لَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِأُمَّهَاتِهِمْ قَالَ أَفَتُحِبُّهُ لِابْنَتِكَ قَالَ لَا وَ اللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ جَعَلَنِي اللَّهُ فِدَاءَكَ قَالَ وَ لَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِبَنَاتِهِمْ قَالَ أَفَتُحِبُّهُ لِأُخْتِكَ قَالَ لَا وَ اللَّهِ جَعَلَنِي اللَّهُ فِدَاءَكَ قَالَ وَ لَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِأَخَوَاتِهِمْ قَالَ أَفَتُحِبُّهُ لِعَمَّتِكَ قَالَ لَا وَ اللَّهِ جَعَلَنِي اللَّهُ فِدَاءَكَ قَالَ وَ لَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِعَمَّاتِهِمْ قَالَ أَفَتُحِبُّهُ لِخَالَتِكَ قَالَ لَا وَ اللَّهِ جَعَلَنِي اللَّهُ فِدَاءَكَ قَالَ وَ لَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِخَالَاتِهِمْ قَالَ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهِ وَ قَالَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ وَ طَهِّرْ قَلْبَهُ وَ حَصِّنْ فَرْجَهُ فَلَمْ يَكُنْ بَعْدُ ذَلِكَ الْفَتَى يَلْتَفِتُ إِلَى شَيْءٍ۔ [10]

"حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک نوجوان نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یارسول اللہ! مجھے زنا کرنے کی اجازت دے دیجئے، لوگ اس کی طرف متوجہ ہو کر اسے ڈانٹنے لگے اور اسے پیچھے ہٹانے لگے، لیکن نبی ﷺ نے اس سے فرمایا میرے قریب آجاؤ، وہ نبی ﷺ کے قریب جا کر بیٹھ گیا، نبی ﷺ نے اس سے پوچھا کیا تم اپنی والدہ کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں، نبی ﷺ نے فرمایا لوگ بھی اسے اپنی ماں کے لئے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا کیا تم اپنی بیٹی کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں، نبی ﷺ نے فرمایا لوگ بھی اسے اپنی بیٹی کے لئے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا کیا تم اپنی بہن کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں، نبی ﷺ نے فرمایا لوگ بھی اسے اپنی بہن کے لے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا کیا تم اپنی پھوپھی کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں، نبی ﷺ نے فرمایا لوگ بھی اسے اپنی پھوپھی کے لئے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا کیا تم اپنی خالہ کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں، نبی ﷺ نے فرمایا لوگ بھی اسے اپنی خالہ کے لئے پسند نہیں کرتے، پھر نبی ﷺ نے اپنا دست مبارک اس کے جسم پر رکھا اور دعا کی کہ اے اللہ! اس کے گناہ معاف فرما، اس کے دل کو پاک فرما اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما، راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس نوجوان نے کبھی کسی کی طرف توجہ بھی نہیں کی۔"

اسی طرح صحیح البخاری میں روایت نقل کی گئی ہے:

أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَامَ أَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي الْمَسْجِدِ فَتَنَاوَلَهُ النَّاسُ، فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: دَعُوهُ وَ هَرِيقُوا عَلَى بَوْلِهِ سَجْلًا مِنْ مَاءٍ أَوْ ذَنُوبًا مِنْ مَاءٍ، فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ۔ [11]

"ایک اعرابی کھڑا ہو کر مسجد میں پیشاب کرنے لگا۔ تو لوگ اس پر جھپٹنے لگے۔ (یہ دیکھ کر) رسول کریم ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا بھرا ہوا ڈول یا کچھ کم بھرا ہوا ڈول بہا دو۔ کیونکہ تم نرمی کے لیے بھیجے گئے ہو، سختی کے لیے نہیں۔"

آج ہمیں اسی تربیتی منہج کو اختیار کرتے ہوئے نوجوانوں کو ایک مثبت اور تعمیری راستے پر گامزن کرنا ہو گا تاکہ وہ ملت کی تعمیر اور اصلاح کے لیے موثر کردار ادا کر سکیں۔ اس کے لیے والدین کو مربیانہ کردار اپنانا ہو گا، علما کو دینی اور اخلاقی رہنمائی فراہم کرنی ہو گی، اور دانشوروں کو عملی میدان میں نوجوانوں کی رہبری کرنی ہو گی تاکہ یہ طبقہ معاشرتی ترقی اور امت کی بحالی کا سبب بن سکے۔

اخلاقی ناپختگی:

عصرِ حاضر میں فحاشی، بے حیائی اور اخلاقِ باختگی نے سماج کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ ہر گھر، گلی، کوچہ اور بازار ایک ایسا میدانِ عمل بن چکا ہے جہاں حیاداری کا وجود مٹتا دکھائی دیتا ہے۔ رسائل و جرائد ہوں یا انٹرنیٹ کی دنیا، ہر سمت بے حیائی اور عریانی کے سیلاب نے نوجوان نسل کو اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے۔ حیاسوز ویب سائٹس کی آسان دستیابی اور معاشرتی ماحول کی بے راہ روی نے اخلاقی اقدار کو پامال کر دیا ہے۔

یہ فضا نہ صرف نوجوانوں کی جنسی خواہشات کو برانگیختہ کرتی ہے بلکہ انہیں ذہنی تناؤ، اضطراب اور نفسیاتی پیچیدگیوں کی گہرائی میں دھکیل دیتی ہے۔ بے حیائی کا یہ ناسور اخلاقی اقدار کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے، اور یوں معاشرے کی روحانی بنیادیں متزلزل ہو رہی ہیں۔ ایسے حالات میں نوجوانوں کے قلوب کی تطہیر، ذہنوں کی اصلاح اور حیا و پاکدامنی کے اوصاف سے آراستہ کرنا وقت کی سب سے بڑی ضرورت بن چکی ہے۔

مولانا ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہؒ علیہ کے بقول، آج کے دور کا تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ امت کے نوجوانوں اور تعلیم یافتہ طبقے کو اسلام کی اساسیات، اس کے نظامِ حیات اور رسالتِ محمدی ﷺ پر اس اعتماد کی طرف لوٹایا جائے جو ان کے ہاتھ سے چھوٹ چکا ہے۔ اس فکری اضطراب اور نفسیاتی الجھن کو دور کرنا، جس میں آج کا تعلیم یافتہ نوجوان بری طرح گرفتار ہے، عین عبادت ہے۔ نوجوان نسل کے علمی اور عقلی ذہن کو اسلام کی برتری پر مطمئن کرنا وقت کا تقاضا ہے۔

اسلام نہ صرف برائیوں سے اجتناب کی تلقین کرتا ہے بلکہ ان کے مکمل خاتمے کا بھی خواہاں ہے۔ اللہؒ کے رسول ﷺ کا یہ مبارک ارشاد: **إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ۔** 12

"اگلے پیغمبروں کے کلام میں سے لوگوں نے جو پایا یہ بھی ہے کہ جب تجھ میں حیاء نہ ہو پھر جو جی چاہے کر۔" ہر اس شخص کے لیے لمحۂ فکریہ ہے جو برائیوں کی تباہ کن حقیقت سے باخبر ہونے کے باوجود ان سے دوری اختیار نہیں کرتا۔ اس لیے لازم ہے کہ نوجوان نسل کو اخلاقی انحطاط سے بچا کر، انہیں حسنِ اخلاق، حیا پسندی اور پاکدامنی کے اعلیٰ مقام پر فائز کیا جائے۔ یہی وقت کی ضرورت اور دینِ اسلام کا حقیقی پیغام ہے۔

اعتدال پسندی کا بحران:

اعتدال و توازن ایک ایسی حکمتِ عملی ہے جو زندگی کے ہر شعبے کو سنوارنے، سنبھالنے اور اسے دیرپا استحکام عطا کرنے کے لیے لازم ہے۔ جس عمل سے اعتدال و توازن کا دامن چھوٹ جائے، وہ اپنے اصل مقصد سے بھٹک جاتا ہے اور افراط و تفریط کے دلدل میں پھنس کر یا تو شدت پسندی کا شکار ہو جاتا ہے یا پھر بے عملی کی کھائی میں جا گرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اعتدال زندگی کے ہر پہلو میں مطلوب ہے، خواہ وہ کھانے پینے، سونے جاگنے، معاشی جدوجہد، یا حتیٰ کہ عبادات ہی سے متعلق کیوں نہ ہو۔

اسلام اپنی اساس میں ایک دینِ اعتدال ہی ہے جو نہ صرف شدت پسندی اور غلو سے روکتا ہے بلکہ افراط و تفریط کے ہر مظہر سے دور رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ اللہؒ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کو "امتِ وسط" قرار دیا، یعنی ایک ایسی متوازن امت جو ہر قسم کی انتہا سے گریز کرتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا...** 13

ترجمہ: اِسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک امّتِ وَسَط بنایا ہے۔

یہ آیت نہ صرف امتِ مسلمہ کے لیے ایک منصب کا تعین کرتی ہے بلکہ اس کے ہر فرد کو متوازن اور معتدل رہنے کی تلقین بھی کرتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی تعلیمات میں بھی اعتدال و توازن کی تلقین جابجا نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا: **قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ ۟** ------ 14

ترجمہ: فرما دیجئے: میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے۔

یہاں انصاف کا مطلب وہی اعتدال و توازن ہے جو زندگی کے تمام معاملات میں ناگزیر ہے۔

شدت پسندی، غلو اور افراط و تفریط وہ عناصر ہیں جو نہ صرف فرد کی ذات کو نقصان پہنچاتے ہیں بلکہ معاشرتی توازن کو بھی بگاڑ دیتے ہیں۔ ایک جانب جہاں شدت پسندی، تخریب کاری اور انحراف کو جنم دیتی ہے وہیں افراط و تفریط انسان کو اپنی ذمہ داریوں سے غافل کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نوجوانوں کو جو کسی بھی معاشرے کا قیمتی سرمایہ ہیں چاہیے کہ وہ اعتدال کی روش اپنائیں۔

اعتدال نہ صرف ان کی شخصیت کو سنوارتا ہے بلکہ ان کی زندگی کے ہر پہلو کو نظم و ضبط عطا کرتا ہے۔ خواہ وہ دینی عبادات ہوں یا دنیاوی سرگرمیاں، اعتدال کے بغیر نہ تو تسکین حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی نتائج دیرپا ہوتے ہیں۔ لہٰذا، اسلام کی اصل روح کو سمجھتے ہوئے اعتدال و توازن کو اپنا شعار بنانا ہی فرد اور معاشرے کی کامیابی کا ضامن ہے۔

والدین کی عدم توجہ:

نوجوانوں کے مسائل کی ایک بڑی جڑ والدین کی ناقص تربیت اور غیر مؤثر رہنمائی ہے۔ وہ نوجوان جو والدین کی جانب سے تعلیم و تربیت کے مناسب مواقع سے محروم رہ جائے، زندگی کے مختلف نشیب و فراز میں الجھنوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ والدین کی یہ غفلت، یا تو ان کی عدم دلچسپی کا نتیجہ ہوتی ہے یا ان کے وقت کی کمی کا۔ ایسے نوجوان کے لیے بدقسمتی کی کوئی اور شکل اس سے زیادہ شدید نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنے والدین کی توجہ، شفقت اور تعلیم و تربیت سے محروم رہ جائے۔

عربی زبان کے ایک شعر میں حقیقی یتیمی کی بہترین تشریح کی گئی ہے: "یتیم وہ نہیں جس کے والدین دنیا سے رخصت ہو گئے ہوں اور اسے بے سہارا چھوڑ گئے ہوں؛ بلکہ حقیقی یتیم وہ ہے جس کی ماں نے اسے نظر انداز کر دیا ہو اور جس کا باپ اپنی مصروفیات میں گم ہو گیا ہو۔"

اسلام نے والدین کو بچوں کی جسمانی نشو و نما کے ساتھ ان کی روحانی اور اخلاقی تربیت کا بھی ذمہ دار قرار دیا ہے۔ والدین پر لازم کیا گیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو دینی تعلیمات سے روشناس کرائیں اور انہیں ایک صالح اور ذمہ دار فرد بنانے میں اپنا کردار ادا کریں۔ اس ضمن میں اسلام نے والدین کو پابند کیا ہے کہ وہ نہ صرف بچوں کو کم عمری میں نماز کی تاکید کریں بلکہ بلوغت کے قریب پہنچتے ہی ان کے نکاح کا انتظام بھی کریں، تاکہ ان کی عزت و عصمت محفوظ رہے اور وہ پاکیزہ زندگی گزار سکیں۔

یوں والدین کا کردار نہ صرف بچوں کی انفرادی زندگی بلکہ پورے معاشرے کی اصلاح و فلاح کے لیے کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کی غفلت نہ صرف ایک فرد بلکہ معاشرے کی بنیادوں کو بھی کمزور کر سکتی ہے۔

موجودہ تعلیمی نظام:

رائج نظامِ تعلیم، جو عموماً لارڈ میکالے کے افکار و نظریات کا پرتو ہے، عصرِ حاضر کی متعدد معاشرتی اور اخلاقی برائیوں کی جڑ سمجھا جاتا ہے۔ یہ نظامِ تعلیم افراد کو نہ تو اخلاقی تربیت فراہم کرتا ہے اور نہ ہی انہیں زندگی کے حقیقی مقاصد سے روشناس کراتا ہے۔ نتیجتاً، تنگ نظری، مادہ پرستی، اخلاقی زوال اور خواتین کے استحصال جیسے مسائل فروغ پاتے ہیں۔ نوجوانوں میں بڑھتے ہوئے جرائم، خودکشی کی شرح میں اضافہ اور سماجی بے راہ روی اسی نظام کی

پیداوار ہیں۔ یہ نقائص اس بات کے غماز ہیں کہ موجودہ نظامِ تعلیم میں انقلابی اصلاحات کی اشد ضرورت ہے تاکہ یہ فرد اور سماج دونوں کی ہمہ جہت ضروریات کو پورا کر سکے۔

ہر قوم کی ترقی اور بقا اس کے نظامِ تعلیم کی بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ درحقیقت، یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ کسی ملت کے روشن یا تاریک مستقبل کا تعین اس کے نظامِ تعلیم کی نوعیت سے ہی ہوتا ہے۔ ایک مشہور ماہرِ تعلیم سے کسی نے ملت کے مستقبل کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا: "مجھے اپنا نظامِ تعلیم دکھاؤ، میں تمہیں بتادوں گا کہ تمہارا مستقبل کیا ہوگا۔"

اس کے برخلاف، اسلامی نظامِ تعلیم اعلیٰ اخلاقی اور روحانی اصولوں پر مبنی ہے، جو ہر قسم کی کمی اور نقص سے پاک ہیں۔ یہ نظام فرد کی شخصیت کو تعمیر و تطہیر کے عمل سے گزار کر اسے زندگی کے اعلیٰ مقاصد سے ہم آہنگ کرتا ہے۔ اسلامی نظامِ تعلیم کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ انسان کو زندگی کے بنیادی سوالات کے واضح اور مدلل جوابات فراہم کرتا ہے، مثلاً: میں کون ہوں؟ میری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ مجھے کس نے پیدا کیا اور کیوں؟ میرا خالق مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ ان سوالات کے جوابات نہ صرف خالق اور مخلوق کے تعلق کو واضح کرتے ہیں بلکہ مخلوق کے باہمی تعلقات کے اصول بھی متعین کرتے ہیں۔ یہی وہ جامع اور بامعنی تعلیم ہے جو فرد اور سماج دونوں کے لیے کامیابی اور ترقی کی راہ ہموار کر سکتی ہے۔

اسلامی تاریخ سے لاعلمی:

قوموں کی بقا اور ارتقا کا راز ان کی تہذیبی اور تاریخی شعور میں پنہاں ہوتا ہے۔ جو قوم اپنے ماضی کی علمی میراث اور تاریخ کو فراموش کر دیتی ہے، وہ رفتہ رفتہ فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہے یا اسے جان بوجھ کر صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔ تاریخ سے لاعلمی نہ صرف ایک قوم کے وجود کو خطرے میں ڈالتی ہے بلکہ اس کے مستقبل کی تعمیر کے امکانات کو بھی مسدود کر دیتی ہے۔

امتِ مسلمہ کے حالیہ حالات پر نظر ڈالی جائے تو المیہ یہ ہے کہ اس کے اکثر نوجوان اپنے شاندار ماضی اور علمی ذخائر سے بے بہرہ ہیں۔ ان کے اذہان میں نہ اسلامی فتوحات کی جھلک موجود ہے، نہ خلفائے راشدین کے سنہری کارنامے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے جاں نثار صحابہ کی قربانیوں اور حیاتِ مبارکہ سے بھی لاعلم ہیں۔ ان کی ناواقفیت اس حد تک ہے کہ وہ امام غزالی، ابن خلدون اور ابن تیمیہ جیسے عظیم مفکرین کے مقام و مرتبہ سے بھی ناآشنا ہیں۔ سید قطب، حسن البنا اور سید مودودی جیسے مصلحین کی خدمات کا ذکر ان کے لئے اجنبی ہے۔

وقت کا تقاضا ہے کہ ملت کے اس گم کردہ راہ طبقے کو اسلاف کے کارناموں اور اسلامی علوم کے خزانوں سے روشناس کرایا جائے۔ یہ نہ صرف ان کی فکری تربیت کے لئے لازم ہے بلکہ ملت کے احیاء اور ترقی کی بنیاد بھی ہے۔ تاریخ سے جڑنے کے بغیر کوئی قوم اپنی حقیقی شناخت اور مقام حاصل نہیں کر سکتی۔

مغربی ثقافت کی چمک:

عالمگیریت (Globalization) ایک ایسا عالمی رجحان ہے جس کے ذریعے مغرب نے دنیا کے مختلف حصوں میں آزاد تجارتی منڈی کو متعارف کرایا ہے، اور اس کے نتیجے میں سیکولرازم اور الحاد کے نظریات کی ترویج ہو رہی ہے۔ مغرب عالمگیریت کو ایک ایسے آلے کے طور پر استعمال کر رہا ہے جس کے ذریعے وہ دنیا کے ہر کونے میں اپنے تجارتی اور معاشی مفادات کو فروغ دے رہا ہے، ساتھ ہی اپنی ثقافت اور تہذیب کے اثرات بھی تیزی سے پھیلا رہا ہے۔ مغربی تہذیب کی ظاہری چمک دمک اور گلیمر نوجوانوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں، حالانکہ اقبال کے الفاظ میں یہ تہذیب دراصل "فسادِ قلب و نظر" کا باعث ہے، کیوں کہ اس تہذیب میں روحانیت اور پاکیزگی کی کمی ہے۔

مغرب عالمگیریت کے ذریعے جن اہم عناصر کو فروغ دے رہا ہے، وہ ہیں: تہذیب، ٹیکنالوجی، معیشت، جمہوریت اور سرمایہ دارانہ نظام۔ ان تمام اداروں کا سب سے زیادہ اثر نوجوانوں پر مرتب ہو رہا ہے، کیونکہ یہ طبقہ تیز ترین تبدیلیوں کا شکار ہے۔ مسلم نوجوانوں کو یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اسلام ایک عالمگیر نظام حیات ہے، جسے اللہؐ تعالیٰ نے انسانیت کی فلاح کے لیے مرتب کیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنا تعارف "رب العالمین" سے اور اپنے رسول ﷺ کو "رحمت اللعالمین" کے طور پر پیش کیا ہے، جو اس بات کا غماز ہے کہ اسلام تمام انسانوں کے لیے ایک کامل اور ہمہ گیر نظام زندگی فراہم کرتا ہے۔

اسلامی تہذیب وہ واحد تہذیب ہے جو روحانی پاکیزگی، اخلاقی بلند معیار اور دنیا و آخرت کی فلاح کو یکجا کرتی ہے۔ جیسا کہ اقبال نے فرمایا:

ؔاٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

یہ اقبال کا پیغام ہے کہ اب دنیا کے دونوں حصوں یعنی مشرق و مغرب میں ایک نیا دور شروع ہو چکا ہے، جو اسلامی اصولوں کی روشنی میں مکمل تبدیلی کا خواہاں ہے۔۔

حوالہ جات:

1. سورۃالکہف:13
2. سورۃالکہف:14
3. سورہ یونس:83
4. جامع ترمذی:2417
5. سورۃالبقرہ:30
6. سورۃالذریت:56
7. سورۃالملک:02
8. صحیح المسلم:6948
9. سورۃلقمان:18
10. مسندِ احمد:22564
11. صحیح البخاری:220
12. صحیح البخاری:3484
13. سورۃالبقرہ:143
14. سورۃالاعراف:29